OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اسلام-مغرب تعلقات: محمد اسد کے نقطۂ نظر کا تقابلی مطالعہ

(Islam-West Relations: A Comparative Study of Muhammad *Asad's* Perspective)

Muhammad Rashid
Doctoral Candidate Islamic Studies, B.Z.U, Multan
Dr. Jamil Ahmad Nutkani
Assistant Professor of Islamic Studies, B.Z. U, Multan
Dr. Abdul Wahab
Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & Information Technology, Dera Ismail Khan

Abstract

This article is a study of the views of Muhammad *Asad* (1900-1992) regarding relationship between Muslim and western worlds. It makes a comparison of *Asad's* view with some other distinguished scholars like *Dr. Mahmood Ahmad Ghāzī, Marmaduke Pikthal* etc. Quoting *Asad* and other scholars it concludes that West had been picking & choosing the beneficial particles from Muslim Civilization in the field of science and civilization. But in modern age when West has become in the position to give its science and technology to the Muslim world, it ruins political liberty of the Muslim world and destroy it spiritually and culturally. The West demanded from Muslim world to give up its cultural heritage and adopt western ideologies and ways of life with the claim that it is the only way of progress for the Muslims. *Asad* emphasizes on reconciliation between Muslim and Western worlds for better future of the human race. He says that despite their differences Muslims and the West may make friendly relation with each other. However he states that

CC BY

fundamental barrier between good relations of both the worlds is overwhelmed enmity and phobia of the West against Islam and Prophet of Islam. So it is mandatory for reconciliation and good relation amongst both the worlds that such irrational and unethical hostility, hatred and phobia of the West against Islam be deleted first. He says that in the prejudiced and hostile atmosphere they could never attain the goal of reconciliation. *Asad* expresses his distinctive opinion that West has the most powerful and dominant position in political, economic and technological spheres of life, hence it must take first step for the purpose of reconciliation between Islamic world and western worlds. He further emphasizes that for the better relation between both the worlds, the west should also give up the dual standard to deal with Muslim world. He also advises Muslims that they should explain and interpret Islam in such a way that may be easily understandable for the western world.

Keywords: Islam-West relations, *Asad, Ghāzī, Pikhtal*

اسلام اور مغرب کے حوالے سے گزشتہ دو صدیوں سے بے شمار مضامین و مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں اور لکھنے والوں میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی، مذہب دوست بھی ہیں اور مذہب دشمن بھی۔ ان مقالہ جات و مضامین کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: 1۔ معاندانہ 2۔ دوستانہ و خیر خواہانہ 3۔ تابعدارانہ و غلامانہ۔ ہماری رائے میں انسانیت کو درپیش چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کے لیے نہ ہی معاندانہ رویہ کوئی فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی تابعدارانہ و غلامانہ رویہ، بلکہ دوستانہ و خیر خواہانہ رویہ ہی ایک ایسا رویہ ہے، جو انسانیت کی تعمیر و تخلیق میں معاون و مددگار بن سکتا ہے اور صرف اسی اپروچ ہی کو بروئے کار لا کر انسانیت کو درپیش مہیب بحرانوں سے نکالنا ممکن ہے۔ اسلام اور مغرب تعلقات کے مطالعے کے لیے علامہ محمد اسد کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ ایک یہودی النسل مغربی باشندے تھے، انھوں نے بھی غیر مسلم ہوتے ہوئے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں وہ سب کچھ سوچا اور محسوس کیا جو مغربی نظام و فکر میں جکڑا ہوا ایک عام مغربی باشندہ محسوس کرتا ہے۔ طویل تجربات، مطالعے اور قبول اسلام کے بعد زیر بحث موضوع پر علامہ اسد کی آرا اور رویہ محقق و متوازن بھی ہے اور خیر خواہانہ بھی۔

آسٹریا کے یہودی گھرانے میں پیدا ہونے والے علامہ محمد اسد (1900ء-1992ء)[1]، عام مغربی انسان کی طرح صرف یہودیت اور عیسائیت کو بطور مذہب تسلیم کرتے تھے، جب کہ اسلام کو وہ اس قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا تقابل ان دو بڑے مذاہب سے کیا جائے۔ اس دور میں اسد کی نظر میں اسلام کوئی قابل احترام مذہب نہیں تھا۔ 1922ء کی گرمیوں میں

[1] پیدائشی نام لیوپولڈ وائیس (Leopold Weiss)۔

علامہ اسد اپنے ماموں کی دعوت پر مشرق وسطیٰ گئے۔[2] عالم عرب کا بذات خود مشاہدہ کرنے کے بعد اسد کو احساس ہوا کہ ایک عام یورپی کو عرب کے لوگوں کے بارے میں اصل حقیقت کا کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔[3] مشرق وسطیٰ میں مسلم طرز زندگی نے اسد پر حیرت اور انکشافات کے دروازے کھول دیے۔ ان کے الفاظ میں "مجھے محسوس ہوا کہ میں پہلی دفعہ ایک ایسے سماج کا تجربہ کر رہا ہوں جس میں انسان سے انسان کا تعلق محض مشترک نسل یا مشترکہ معاشی مفادات کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ کسی بہت ہی گہری اور پائیدار بنیاد پر ہے، یعنی مشترک نظریہ پر مبنی ایک رشتہ جس نے انسانوں کے مابین تنہائی پیدا کرنے والی تمام رکاوٹوں کو ہٹا دیا ہو۔"[4] بعد ازاں ستمبر 1926 کے ایک دن ریل گاڑی میں دوران سفر وسطی یورپ کے معاشی طور پر آسودہ حال اور خوشحال مسافروں پر اسد نے نظر ڈالی تو اسے ہر شخص پریشان نظر آیا۔ اسد کو اس کی وجہ سمجھ نہ آئی کہ جب دنیاوی آسائشات کی ہر چیز میسر ہے، تو پھر ان لوگوں کے چہروں سے پریشانی کیوں عیاں ہے۔ اسد نے گھر آکر قرآن، جس کا وہ مطالعہ کیا کرتے تھے، اٹھا کر دیکھا تو ان کی نظر سورہ تکاثر کی آیات پر پڑی۔ وہ قرآن کی ان آیات کو پڑھ کر اس کے سچا کلام الٰہی ہونے پر مجبور ہو گئے۔ انھیں اس کلام کی سچائی پر اس لیے بھی یقین آگیا کہ ان آیات میں انسان کی جس ہوس، حرص اور لالچ کا ذکر کیا گیا ہے، جدید مغربی معاشرہ اس کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ کوئی انسانی کلام چودہ سو سال بعد کے انسانی معاشرے کی اتنی سچی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قرآن پر شکوک کے تمام پردے چاک ہو گئے اور اسد پر واضح ہو گیا کہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ خالق کا کلام ہے۔[5] کچھ دنوں بعد انھوں نے ایک ہندوستانی دوست کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور کچھ ہفتے بعد اسد کی بیوی ایلسا نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے فوری بعد انھوں نے یورپ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔[6]

علامہ اسد نے مغربی فکر کے استیلا اور غلبہ کے تناظر میں حقیقی اسلامی سماج کی تعمیر کے لیے گراں قدر علمی و تصنیفی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ڈاکٹر محمد ارشد کے مطابق سرد جنگ کے خاتمے اور نائن الیون کے واقعات کے نتیجے میں مغربی و امریکی مصنفین و مستشرقین اور ذرائع ابلاغ نے اسلام اور مسلمانوں کو ہدف بناتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی مسخ شدہ اور تاریک تصویر اہل مغرب میں پھیلانے کی جو منصوبہ بند کوششیں کی ہیں اس تناظر میں محمد اسد کی نگارشات کی افادیت پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ خاص طور پر مغرب میں اسلام کی دعوت جیسے اہم کام سے دلچسپی رکھنے والوں کو اسد کے اسلوب دعوت سے بڑی راہنمائی فراہم ہو سکتی ہے۔[7] زیر نظر مقالے میں اسلام و مغرب تعلقات کے حوالے سے علامہ محمد اسد کے نقطہ نظر کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علمی و تمدنی اخذ و اکتساب کا لائحہ عمل

[2] Muhammad Asad, *The Road to Makkah* (New Dehli: Islamic Book Service), 74-75.

[3] Asad, *The Road to Makkah,* 92.

[4] Asad, *The Road to Makkah,* 109

[5] Asad, *The Road to Makkah,* 309-310

[6] Asad, *The Road to Makkah,* 311

[7] ڈاکٹر محمد ارشد، اسلامی ریاست کی تشکیل جدید: معروف نو مسلم محمد اسد کے افکار کا تنقیدی مطالعہ (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب)، 290۔

علامہ اسد کی رائے میں مغرب ایک ہزار سال تک مسلم دنیا کو کوئی بھی مثبت چیز دینے کے قابل نہ تھا۔ ثقافتی و تمدنی سطح پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک عالم اسلام دے رہا تھا اور مغرب لے رہا تھا۔ اس طویل تاریخ میں صرف ایک بہت ہی مختصر عرصے کے لیے یعنی جدید صنعتی دور کے آغاز سے "لینے" اور "دینے" کا یہ سلسلہ مکمل طور پر الٹ گیا ہے۔[8] تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جدید دور میں مغرب نے اسلامی دنیا کو سائنس و ٹیکنالوجی کے مادی میدان میں اگر کچھ دیا ہے، تو اس کے بدلے میں اس نے مسلم دنیا کی سیاسی آزادی کو سلب کر کے اس کو روحانی اور ثقافتی سطح پر بے حد نقصان بھی پہنچایا۔[9] نیز مغرب کا مسلمانوں سے مطالبہ یہ بھی ہے کہ مسلم دنیا کی ترقی کا واحد ممکن راستہ اپنے ثقافتی ورثے سے دستبرداری اور مغربی تصورات اور طور طریقوں کو اپنا لینے میں مضمر ہے۔[10] مغرب مسلمانوں سے تہذیبی و ثقافتی تابعداری کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن ماضی میں اس کا اپنا رویہ اس کے برعکس رہا ہے۔ مریم جمیلہ نے مغرب کے اس رویے کو واضح کرتے کہا تھا کہ قرون وسطی میں مسلم ممالک کے علوم کی مغرب کو منتقلی کے باوجود مغرب کے لوگوں نے اسلامی تہذیب کا حصہ بننا قبول نہیں کیا، جب کہ جدید دنیا کے بعض مسلمان مغرب کی سائنس کے ساتھ اس کی تہذیب کی بھی نقالی کی دعوت دے رہے ہیں۔[11]

زیر بحث موضوع پر اسد کے خیالات کو سامنے رکھا جائے تو سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ دعویٰ ان کی تائید کرتا ہے، جس کے مطابق مسلم ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ ان ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ہے۔ مغربی تہذیب سے متعلق کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ مسلم معاشروں میں جدید زندگی سے ہم آہنگ اور زمانے کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کون سی راہ اختیار کی جائے؟ انھی سوالوں کے جواب پر ہی مسلم دنیا کی بقا کا راز مضمر ہے۔[12] اسد کے اس نظریے کے تناظر میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کا موقف دیکھا جائے تو ان کا کہنا ہے کہ دنیائے اسلام میں اس بات پر تقریباً اتفاق رائے ہے کہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھایا جائے اور زندگی کی مادی سہولتوں کو اختیار کیا جائے۔ لیکن مغربی تہذیب کو اپنانے سے اعراض کیا جائے۔ جدید ذرائع وسائل کو اپنانے کا مسئلہ ایک مباح امر سے تعلق رکھتا ہے، لیکن مغربی تہذیب کو اپنانے کا مسئلہ اسلامی تہذیب سے روگردانی ہے۔[13] اسد کہتے ہیں کہ مسلم دنیا ایک ہزار سال تک مغرب کو تہذیبی و ثقافتی غذا دیتی رہی۔ اسد کے اس بیان کی تایید رابرٹ بریفالٹ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے، جس کے مطابق اسلام کی ذہنی ثقافت نے غیر معمولی اخلاقی و تہذیبی اثرات ڈالنے میں کامیابی حاصل کی۔ عیسائی یورپ مسلمانوں کی فراخ دلانہ رواداری اور بلا امتیازِ عقیدہ و مسلک مسیحیوں اور یہودیوں کو یکساں حیثیت سے عہدہ و اعزاز دینے کی پالیسی سے ندامت محسوس کرنے کی بجائے غیظ و غضب میں آ گیا۔ تاہم مغرب کو مسلم تہذیب کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کا موقع ملا۔ ان پر اس رواداری کا نہایت دور رس اثر پڑا۔ بعد ازاں یورپ اس

---

[8] Asad, *This Laws of Ours* (Kuala Lumpur: Islamic Book Trust), 120.

[9] Asad, *This Laws of Ours*, 120

[10] Asad, *This Laws of Ours*, 121.

[11] Maryam Jameela, *Islam versus The West* (Lahore: Muhammad Yusuf Khan and Sons), 61.

[12] سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (لکھنو: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام)، 12۔

[13] ڈاکٹر محمود احمد غازی، اسلام اور مغرب تعلقات (کراچی: زوار اکیڈمی پبلیکیشنز)، 135-137

بلند ہمتی اور شجاعانہ غیرت کے نصب العین سے بے انتہامتاثر ہوا اور اس کی تقلید پر آمادہ ہو گیا، جو ہسپانیہ کے بہادروں سے ظاہر ہوئی۔ صلاح الدین کی فیاضی اور رواداری اور شجاعت کو دیکھ کر اجڈ اور اکھڑ صلیبی شرم سے پانی پانی ہو گئے۔[14] رابرٹ بریفالٹ یہ کہ کر بالواسطہ طور پر اسد کے نقطہ نظر کی توثیق کرتے ہیں کہ کسی کو یہ بات خواہ کتنی ہی بری لگے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ یورپ کی حقیقی، عملی اور ٹھوس اخلاقیت میں مسلمانوں کی ثقافت کا بھی اتنا ہی بڑا حصہ ہے، جتنا کسی زیادہ بلند اور روحانی اخلاقی عقیدے کا ہو سکتا ہے۔[15] اسد کے اس نظریے کی تائید محمد مارماڈیوک پکتھال کے اس نقطۂ نظر میں بھی ملتی ہے کہ مغربی مصنفین نے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہب اسلام کے خلاف الزامات کے پہاڑ کھڑے کیے۔ ان میں عدم رواداری یا تعصب سب سے بڑا اور سنگین الزام ہے۔ حالانکہ مسیحی کمزور فرقے اپنے ہی ہم مذہب طاقت ور فرقے کے ممالک میں رہنے پر مسلم ممالک میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ انھیں مخالف فرقے کے ہم مذہب ملک میں ظلم اور زیادتی کا خوف تھا لیکن مسلم ممالک میں انھیں ایسا کوئی خوف نہ تھا۔[16]

مغرب کی طرف سے مسلم دنیا پر ثقافتی اور سماجی جبر مسلط کرنے کی روش پر بھی متعدد مسلم و غیر مسلم اہل علم نے روشنی ڈالی ہے۔ اس پہلو سے ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ 1994-1995 میں جرمنی کے اجتماع جس کا عنوان تھا Is Islam a threat to Western Europe? میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں سے مسلمانوں کو پورا پورا استفادہ کرنا چاہیے۔ مغرب کی سائنس، مغرب کی ٹیکنالوجی، مغرب کی سہولتیں، یہ سب چیزیں مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہیں۔ ان کو سیکھنا چاہیے اور ان کو اپنانا چاہیے، لیکن مغرب کی تہذیب و ثقافت کے جو منفی پہلو ہیں، مثلا اخلاقی اقدار کے متعلق ان کے خیالات و نظریات، یا سیکولرازم اور لامذہبیت یا مردوزن کی آزادی کا تصور جو ان کے ہاں ہے یہ سب باتیں خلاف اسلام ہیں، یہ چیزیں دنیائے اسلام کو قبول نہیں کرنی چاہئیں۔ تو اس کے جواب میں اجتماع کے شرکا نے، جن میں فرانسیسی نمائندے بھی شامل تھے، جرمن اور آسٹریا کے لوگ بھی شامل تھے، سب نے غازی صاحب سے اختلاف کیا اور کہا کہ مغرب ان شرائط پر اپنی ٹیکنالوجی اور اپنی تہذیب و تمدن سے آپ کو استفادہ کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں ہو گا۔ مغرب کی رائے میں یہ ایک پورا پیکج ہے، جسے آپ کو جوں کا توں قبول کرنا پڑے گا اور اس میں وہ آپ کو اخذ و انتخاب کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس کے بعد بارہ پندرہ سالوں میں مغرب کے بہت سے لوگوں سے ملنے، ان کی باتیں سننے اور ان کی تحریریں پڑھنے کے بعد غازی صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ مغرب کی یہ طے شدہ پالیسی ہے، جو انھوں نے سوچ سمجھ کر اختیار کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دنیاے اسلام اپنے آپ کو مکمل طور پر مغرب کے رنگ میں رنگے اور مکمل طور پر مغربی ایجنڈے کو اختیار کرے تو مشرق و مغرب میں پرامن بقائے باہمی ممکن ہے اور اگر دنیاے اسلام اس شرط کے ساتھ بقائے باہمی کے لیے تیار نہ ہو تو مغربی تہذیب کے فوائد یا مثبت اثرات سے مسلمانوں کو یک طرفہ طور پر متمتع ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔[17]

---

[14] رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت، ترجمہ۔ عبد المجید سالک (لاہور: مجلس ترقی ادب)، 419۔

[15] بیریفالٹ، تشکیل انسانیت، 421۔

[16] مارماڈیوک پکتھال، اسلامی ثقافت اور دور جدید، ترجمہ۔ توراکینہ قاضی (لاہور: منشورات)، 105-107۔

[17] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 205-208۔

اسد کے مذکورہ نقطۂ نظر کی زوردار تائید ڈاکٹر غازی کے اس موقف سے بھی ہوتی ہے کہ مغربی نظام کے مزاج اور ساخت میں مغرب کی بالادستی، طاقت کی پرستش اور مسلمانوں کی تذلیل وتوہین کے عناصر شامل ہیں۔ اس نظام کے تحت جو ادارہ بھی بنے گا وہ کبھی بھی کسی کمزور مسلمان ملک کو طاقت ور اور غیر مسلم کے مقابلے میں انصاف فراہم نہیں کرسکے گا۔ یہ ادارے صرف مسیحی مغرب کے مفادات کی تکمیل کے لیے وجود میں لائے جاتے ہیں۔[18] اس بیان کو اگرچہ مغربی مزاج، حرکیات اور رویوں کی سو فیصد ترجمانی قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ مغرب کے غالب مزاج اور اکثریتی رویوں کی درست وضاحت اس بیان کو ضرور قرار دیا جاسکتا ہے۔ نیز بوسنیا کے سابق صدر عزت علی بیگووچ کا یہ موقف کہ مغربی میڈیا ذہنوں پر تسلط اور جبر ٹھونستا ہے اور یہ کہ یہ انسان کی آزادی رائے کے لیے ایک خطرہ ہے، اسد کے موقف کی بالواسطہ تائید ہی ہے۔[19]

دنیا کے بہتر مستقبل کے لیے اسلام و مغرب کے مابین مفاہمت

علامہ اسد دنیا کے بہتر مستقبل کے لیے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام اور مغرب کے مابین بہتر افہام و تفہیم پیدا ہو۔ تاہم ان کی رائے میں اس افہام و تفہیم کے لیے درج ذیل بنیادی نکات مد نظر رہنے چاہییں: 1۔ یہ افہام و تفہیم مغرب کی مادہ پرستی کے خلاف اسلام اور مغربی مسیحیت کے مابین ہو۔ 2۔ اس افہام و تفہیم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسیحی مغرب کا سامراجی رویہ اور اسلام کے خلاف مغرب کی حد سے بڑھی ہوئی نفرت اور عداوت کا ہے۔ 3۔ اسلامی دنیا اور مغرب میں دوری کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ تمام مغربی لٹریچر میں مسلمانوں کے رسول ﷺ کی مسلسل نا ختم ہونے والی توہین پائی جاتی ہے۔ 4۔ عیسائیت کے حوالے سے مذہبی بیداری کو تو روحانی بیداری کا عنوان دے دیا جاتا ہے، لیکن جب مسلم معاشرے میں مذہبی بیداری کا حوالہ سامنے آتا ہے تو مغرب اس پر "انتہاپسندی" کا لیبل چسپاں کر دیتا ہے۔

علامہ اسد واضح کرتے ہیں کہ اگرچہ اسلام اور مغرب کی روحانی بنیادوں اور سماجی مقاصد میں اختلافات ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ایک دوسرے کو برداشت کرسکتے ہیں اور دوستانہ تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔[20] مولانا عیسیٰ منصوری کی رائے میں مغرب کے روایت پسند اور تہذیبی طور پر قدامت پسندوں کے خیالات بہت حد تک اس فکر سے ملتے جلتے ہیں، جسے ہم احیائے اسلام کا تصور کہتے ہیں۔ اسد کی طرح ان کا بھی خیال ہے کہ مغرب کا قدامت پسند طبقہ اور عالم اسلام مل کر جدوجہد کرسکتے ہیں کہ وہ ان نقصانات کی تلافی کے لیے لائحہ عمل تشکیل دیں جو جدیدیت کے نتیجے میں انسانیت کو پہنچے ہیں۔[21] مولانا عیسیٰ منصوری جارج برنارڈ شا کا یہ نقطۂ نظر بھی بیان کرتے ہیں کہ محض جہالت اور تعصب کی وجہ سے ازمنہ وسطیٰ سے اسلام کو انتہائی بھیانک صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا، اور انھیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام یسوع مسیح کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن در حقیقت محمد ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ ہیں۔ اگر آج بھی دنیا کو محمد ﷺ کے کردار کے حامل کسی شخص کی خدمات میسر آگئیں تو بنی نوع انسان کی تمام مشکلات یکسر دور ہوسکتی ہیں اور زمین میں امن و امان اور خوش بختی کا دور

[18] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، ص260۔

[19] عزت بیگووچ، اسلام مشرق و مغرب کے درمیان، ترجمہ۔ محمد ایوب منیر (لاہور: ادارہ معارف اسلامی منصورہ)، 110-111۔

[20] Asad, *This Laws of Ours,* 122-123

[21] مولانا عیسیٰ منصوری، مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کشمکش (لندن برطانیہ: ورلڈ اسلامک فورم)، 66۔

شروع ہو سکتا ہے۔[22] منصوری کا کہنا ہے کہ معتدل اور انصاف پسند دانش وروں کے برعکس اکثریت انتہا پسند اور متعصب دانش وروں کی ہے۔ ایسے انتہا پسند دانش وروں کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک امریکی مدیر مارٹن بی زگ کا موقف ہے کہ جس طرح روس کے رہنما جوزف اسٹالن نے کمیونزم کے دفاع کے لیے یورپ و امریکہ سے طویل جنگ لڑی اسی طرح اب مغرب کو اپنے کلچر و نظریات کی بقا کے لیے اسلام سے جنگ لڑنی ہو گی کیونکہ مسلم بنیاد پرست اپنے متشددانہ نظریات کو دنیا بھر میں پھیلانے میں مصروف ہیں جن سے نہ صرف مغرب کے سیاسی و معاشی نظام، ان کے کلچر اور عالمی مفادات کو شدید خطرہ لاحق ہے بلکہ ان کے نظریات و عقائد بھی اس خطرے کی زد میں ہیں اور اس کا علاج صرف جنگ ہے۔[23] اسلام کے خلاف مغرب کی بڑھتی ہوئی نفرت کو وہ ہاورڈ یونیورسٹی امریکہ کے دانشور سموئیل ہنٹنگٹن کی تصنیف The Clash of Civilization کے حوالے سے موثق کرتے ہیں جس میں ہنٹنگٹن دعویٰ کرتے ہیں کہ مستقبل میں ممکنہ عالمی جنگ مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے مابین ہو گی۔[24]

مغرب کے دانش ور طبقے کا ایک گروہ اسلام کے محاسن و خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے اور اس بات کے حق میں ہے کہ مغرب اور اسلام کو ایک دوسرے کی اقدار و روایات کا تبادلہ کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے؛ وسعت قلبی و رواداری کے ساتھ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنا چاہیے؛ ایک دوسرے کے مفید افکار و اقدار کو اپنانا چاہیے۔ ان معتدل مغربی دانش وروں میں ایک اہم شخص برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس ہیں۔ انھوں نے 1992 میں آکسفورڈ کے اسلامی سنٹر میں اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ مغربی تہذیب پر اسلامی دنیا نے جو احسانات کیے ہیں اس سے اکثر اہل مغرب ناواقف ہیں۔ مغرب میں احیا تہذیب کی تحریک پر مسلم اسپین نے گہرے اثرات ڈالے۔ یورپ نے علوم کی ترقی میں مسلم دنیا سے بہت عرصہ تک فائدہ اٹھایا۔ اسلام نے مغربی تہذیب کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلام مغرب کے ماضی اور حال کا اہم حصہ ہے۔ اس دنیا میں مل جل کر رہنے کے لیے اسلام کے دامن میں وہ کچھ ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ دنیا کے بارے میں احساس مسئولیت اور اس کی نگرانی و بہبود کی ذمہ داری کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اہل مغرب اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ شہزادہ چارلس کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے تجربات میں ایک دوسرے کو شریک کرنا ہو گا۔ باہم تبادلہ خیال کرنا ہو گا۔ ثقافتی ورثہ میں جو کچھ مشترک ہے اسے اپنانا ہو گا۔ عالم اسلام اور مغرب ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ان دونوں کا الگ تھلگ رہنا اور تصادم کی فضا انسانیت کے مفاد میں نہیں۔[25]

اسلام اور مغرب میں مفاہمت کی جس ضرورت پر علامہ اسد زور دیتے ہیں اس کی عملی شکل ڈاکٹر غازی کے درج ذیل بیان سے واضح ہوتی ہے: "یہاں ایک طے شدہ اصول ہے یعمل فی الاسلام بفضائل الجاھلیۃ کہ جاہلیت کے دور میں جن اچھی باتوں پر عمل کیا جاتا تھا زمانہ اسلام میں بھی ان پر عمل کیا جائے گا۔ مسند احمد کی رویت ہے کہ حلف الفضول کے بارے میں حضور ﷺ نے

---

[22] منصوری، مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کشمکش، 75۔

[23] منصوری، مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کشمکش، 89۔

[24] منصوری، مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کشمکش، 90۔

[25] منصوری، مغرب اور عالم اسلام کی فکری و تہذیبی کشمکش، 88-89۔

فرمایا تھا کہ اگر آج بھی مجھے کوئی دعوت دے تو اس جیسے کسی بھی معاہدے کے لیے تیار ہوں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام جاہلی نظاموں کی اچھی باتوں کو بلا تامل اپنانے میں ہرگز تنگ نظر نہیں۔"[26]

اہل مغرب کے عیسائیت کی حمایت اور اسلام کی مخالفت پر مبنی متعصبانہ رویے کی جو نشاندہی علامہ اسد کرتے ہیں ڈاکٹر غازی صد فی صد اسی نقطۂ نظر کے حامی ہیں۔ ان کی رائے میں یہ سمجھنا کہ مغربی دنیا سیکولر ہے، اس لیے اسے مذہبی مفادات سے دلچسپی نہیں ہے، یہ پرلے درجے کی بے وقوفی اور افسوس ناک درجے کی سادہ لوحی ہے۔ڈاکٹر غازی کی رائے میں مغرب کو پوری دنیا میں عیسائی مفادات سے کم از کم گزشتہ چار سو سال سے دلچسپی چلی آرہی ہے۔ آج بھی امریکہ اور یورپ کے ہر ملک کو دنیا بھر میں مسیحی مفادات سے مکمل دلچسپی ہے۔ عیسائی مفادات کو فروغ دینے میں ان کی ساری حکومتیں ایک آواز اور ایک دوسرے کے ساتھ متفق اللفظ ہیں۔ دنیائے اسلام میں عیسائیت کو فروغ دینا مغربی ریاستوں کا طے شدہ ایجنڈا ہے۔[27] مغرب کے مذہبی تعصب کی جو نشاندہی علامہ اسد نے کی ہے ڈاکٹر محمود احمد غازی اس کی بھرپور تایید ہی نہیں کرتے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ مغرب کا سطحی مطالعہ اور مغرب کے ظاہری دعووں سے متاثر ہو کر یہ سمجھنا کہ مغرب مذہب سے بالکلیہ لاتعلق ہو چکا ہے اور یہ کہ اب مغرب ہر مذہبی تعصب سے آزاد ہو چکا ہے محض سادہ لوحی ہے۔ مغرب کی ہر چیز عیسائی تہذیب و تمدن، عیسائی روایات اور عیسائی تعصبات پر مبنی ہے۔ گزشتہ چار سو سال سے جس بین الاقوامی قانون پر وہ عمل پیرا ہیں وہ عیسائی عقائد اور عیسائی اخلاق کی بنیاد پر ہے۔ یہ حقیقت خود مغربی مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں، اور مغرب کی کتابوں میں آج بھی یہ اعتراف موجود ہے کہ مغرب کا بین الاقوامی قانون جن جن ماخذ سے اپنے قواعد اخذ کرتا ہے ان میں عیسائی روایات، عیسائی مذہب اور عیسائی اخلاق کے قواعد بھی شامل ہیں۔ اس تناظر میں عیسائیت کو مغرب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا میں عیسائیت کا فروغ اور مغربی استعمار کے مفادات یہ دونوں یکجا اور یکساں مل جل کر کام کرتے ہیں۔[28]

علامہ اسد کے نقطہ نظر سے ذرا مختلف سوچ کا اظہار ڈاکٹر محمود احمد غازی کے ہاں ہمیں یہ ملتا ہے کہ وہ مغرب کی اسلام دشمنی اور مسلمان بے زار پالیسیوں کو کسی قسم کی نا سمجھی یا ناواقفیت کا شاخسانہ نہیں سمجھتے، بلکہ مغرب کا سوچا سمجھا فیصلہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ سوچنا کہ ہم تھوڑے سے لبرل ہو جائیں گے تو ہمارے بارے میں مغرب کا رویہ بدل جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی بلکہ حماقت ہے۔ گزشتہ کم از کم اسی نوے سال کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو قومیں مسلمانوں میں لبرل ہوئیں ان کے ساتھ بھی مغرب کا رویہ دشمنی کا ہی رہا ہے۔ وہ مثال دے کر کہتے ہیں کہ ترکوں سے زیادہ لبرل، روشن خیال، ماڈرن اور مغربیت پسند تو دنیاے اسلام میں کوئی نہیں ہو سکتا۔ تیونس کے بورقیبہ سے زیادہ تو کوئی لبرل نہیں ہو سکتا، صومالیہ کے سیاد بری سے زیادہ آزاد خیال تو کوئی نہیں ہو سکتا، ان سب کے ساتھ اہل مغرب کے متعصبانہ اور عداوت پر مبنی رویے کو وہ ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔[29]

---

[26] غازی، اسلام کا قانون بین الممالک، 449۔

[27] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 59۔

[28] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 57-58۔

[29] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 79-80، 137

ان تمام تلخ حقائق کے باوجود اسلام اور مغرب میں مکالمہ ومفاہمت کی اہمیت پر جتنا زور علامہ اسد نے دیا ہے ڈاکٹر غازی اس سے مکمل متفق نظر آتے ہیں۔ وہ نہایت باریک بینی سے تجزیہ کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ مشرق ومغرب میں بعض لوگوں کا یہ خیال کہ اسلامی تہذیب اور سیکولر تہذیب کے درمیان مکالمہ زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا، صائب نہیں ہے۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ تمام بڑی تہذیبیں دینی اساسات پر قائم ہیں اور دینی عقائد ہر امت میں تہذیبی تعمیر کا ایک اہم رکن رہے ہیں، اور حال اور مستقبل میں بھی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی شمار ہوں گے۔ اس لیے مغربی تہذیب کے سیکولر مظاہر کے باوجود مسیحیت اور یورپی قوموں کے دینی عقائد مغربی تہذیب کے اہم عناصر ہیں۔ ڈاکٹر غازی کے ہاں ہمیں بعض ایسی آرا بھی ملتی ہیں جنھیں اسد کے نقطۂ نظر کا تکمیلی پہلو قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ بہت سے مغربی مصنفین اپنی تہذیب کو مسیحی تہذیب کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں مغرب کے انٹرنیشنل لا کے بارے میں تحریر کرنے والے کئی مصنفین نے دین مسیحیت اور اس کے اخلاق کو انٹرنیشنل لا کے مصادر میں شمار کیا ہے۔ یہ سب کچھ اسلامی تہذیب اور اس تہذیب کے درمیان مکالمے کے سود مند ہونے کے لیے ایک نیک فال ہوگا، جس کا سرچشمہ دین مسیحی کی تعلیمات ہیں۔[30]

ان معروضات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام مغرب تعلقات کے حوالے سے علامہ اسد کا نقطہ نظر معتدل، متوازن اور حقائق سے قریب تر ہے، جس کی رو سے عالم اسلام کے مغرب سے بہتر تعلقات کے لیے یہ ضروری ہے کہ اہل مغرب کی مذہبی حس کو اپیل کیا جائے۔ جدید مغرب کی مادہ پرستی نے انسانیت کو جن خطرات سے دوچار کر دیا ہے اور نوع انسانی کی روحانی زندگی کے لیے جو شدید آلام واذیتیں تخلیق کر دی ہیں ان کے تدارک کا راستہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ نوع انسانی کو روحانیت کی حقیقی اقدار سے روشناس کرایا جائے۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مغرب پہلے شعوری سطح پر روحانیت کی ضرورت کو تسلیم تو کرے، جس کے لیے اسد مغرب کے مذہب یعنی مسیحیت سے مکالمہ کے ذریعہ اور مشترکہ اقدار کی بنیاد پر ہم آہنگی کی پالیسی کے ذریعے مادیت پرستی کے عفریت پر قابو پانے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ خود مسیحی مغرب کے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معاملے میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی نفرت اور عداوت کا رویہ ہے۔ علامہ اسد اس بات میں سو فیصد حق بجانب نظر آتے ہیں کہ مغرب سے مکالمہ ومفاہمت کی راہ تلاش کرنے کے لیے از حد ضروری ہے کہ پہلے مغرب کی اسلام کے معاملے میں حد سے بڑھی ہوئی وحشت اور نفرت وعداوت کے غیر علمی رویے کو تبدیل کرنے کی دعوت دی جائے۔ ان بنیادی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا لائحہ عمل تشکیل دیا جاسکتا ہے جو اسلام اور مغرب کے مابین افہام وتفہیم کو ممکن بنا سکے، اور دونوں تہذیبوں میں بنیادی اختلافات کے باوجود انھیں مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے برداشت اور دوستانہ تعلق استوار کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مغرب مذہب بیزار اور مذہب دشمن ہے۔ مادہ پرستی ہی جدید مغرب کا مذہب بن چکا ہے۔ لیکن علامہ اسد کا تجزیہ یہ نہایت اہم حقیقت منکشف کرتا ہے کہ مغرب اپنی تمام تر مذہب بیزاری اور مادہ پرستی کے باوجود عیسائیت کے بارے میں اپنے اجتماعی لاشعور میں نہ صرف نرم گوشہ رکھتا ہے بلکہ مسیحیت کے معاملے میں مغرب خاصا متعصب بھی ہے۔ اس دعوے کی وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ مغرب میں جب بھی مسیحیت کے حوالے سے بیداری کی بات ہوتی ہے تو اسے

[30] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 191-192۔

روحانی بیداری کا نام دیا جاتا ہے، لیکن عین یہی صورتحال اگر مسلم دنیا میں اسلام کے معاملے میں ہو تو اہل مغرب اسے روحانی بیداری کی بجائے انتہا پسندی کا عنوان دے دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مغرب میں افہام و تفہیم کے لیے علامہ اسد ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس تعصب اور نفرت کی فضا کو ختم کیا جائے، کیونکہ تعصب اور نفرت وعداوت سے آلودہ فضا میں افہام و تفہیم کی منزل حاصل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

افہام و تفہیم کے لیے پہلا قدم

علامہ اسد کی رائے میں عہد جدید میں چونکہ مغرب سیاسی، معاشی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مسلم سماج کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہے اس لیے اب یہ مغرب کا فرض ہے کہ وہ مذکورہ ہم آہنگی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پہلے قدم آگے بڑھائے۔[31] اس پہلو سے ڈاکٹر محمود احمد غازی کا نقطۂ نظر بھی علامہ اسد کے نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام اور مغرب کے مابین تصادم دونوں کے حق میں سخت تباہی کا موجب ہو گا۔ اس تصادم کے نتیجے میں کسی کے پاس شاید کچھ بھی نہ بچے۔ تصادم کی راہ نہ ان کے حق میں ہے نہ ہمارے حق میں۔ ہمارے پاس کھونے کے لیے بہت تھوڑی چیزیں ہیں۔ ان کے پاس کھونے کے لیے بہت کچھ ہے۔ تاہم دونوں فریقوں کے لیے باعزت زندگی کا راستہ آپس میں تفاہم اور مکالمے کا راستہ ہے۔[32] اسد کی طرح ڈاکٹر محمود احمد غازی بھی اسلام اور مغرب کے رویوں میں تضاد کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے دوسروں کی تہذیبوں سے کسب خیر اور استفادہ کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ کبھی بھی مسلمانوں میں بہترین اہل علم نے، جید ترین اور مخلص ترین صاحب ایمان لوگوں تک نے یونانیوں کے علوم و فنون سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کیا، حالانکہ یونانی مشرک اور بت پرست تھے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان علما نے یونانی علوم سے استفادہ کرنے میں کسی تامل یا تعصب سے کام نہیں لیا۔ ان کی ہر مفید چیز سے استفادہ کیا اور اس کا اعتراف بھی کیا لیکن مسلمانوں کی اس بے تعصبی کا دنیا نے اعتراف نہیں کیا۔ حالانکہ مسلمانوں نے ارسطو کو معلم اول قرار دیا دوجید مسلمان فلاسفہ کو اس کے بعد کا درجہ دیا۔ ابن سینا اور فارابی کا درجہ ارسطو کے بعد ہی قرار دیا گیا۔ یہ بات ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے، لیکن اہل مغرب نے کسی مسلمان عالم کے علم و فضل کا آج تک اعتراف نہیں کیا؛ کسی فن میں کسی مسلمان عالم کو معلم اول قرار نہیں دیا۔ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ فلاں فن کے موجد مسلمان ہیں، یا فلاں فن پہلی مرتبہ مسلمان علما نے مرتب کیا کسی مسلمان عالم کو اس فن کا معلم اول قرار نہیں دیا گیا۔[33] ڈاکٹر غازی اس اہم نکتے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ مکالمہ مذاہب کے درمیان نہیں ہے اور کوئی مسلمان کسی دوسرے مذہب سے مکالمے کو مکالمہ بین المذاہب نہیں سمجھتا، یہ مکالمہ مذاہب کے پیروکاروں کے مابین ہو گا۔[34]

علامہ اسد اپنی اس رائے میں منفرد نظر آتے ہیں کہ مغرب چونکہ سیاسی، معاشی اور تہذیبی طور پر بالادست پوزیشن میں ہے اس لیے عالم اسلام سے تعلقات میں بہتری کے لیے پہلا قدم مغرب ہی کو اٹھانا چاہیے۔ اسد کی اس رائے سے اختلاف کرنا اس

---

[31] Asad, *This Laws of Ours,* 123-124.

[32] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 112-113۔

[33] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 113-114۔

[34] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 121۔

لیے مشکل ہے کہ عالم اسلام اور مغرب کے مابین طاقت کا غیر معمولی عدم توازن پایا جاتا ہے۔ مادی و سائنسی اور جنگی و اقتصادی میدانوں میں مغرب کو ہر لحاظ سے فیصلہ کن برتری حاصل ہے۔ جب دو متحارب فریقین میں ایک فریق کو غیر معمولی طاقت اور برتری حاصل ہو تو محاذ آرائی سے گریز اور امن کا مقصد اس وقت تک حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے جب تک طاقت ور فریق امن کے لیے آمادہ نہ ہو جائے اور وہ امن کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مخلصانہ طور پر قدم آگے نہ بڑھائے۔ اس تناظر میں اسلام اور مغرب کے تعلقات میں بہتری کے لیے پہلا قدم مغرب کی طرف سے بڑھانے کی رائے منفرد ہی نہیں بلکہ زمینی حقائق کی روشنی میں ایک صائب رائے بھی ہے۔

دہرے معیارات سے نجات

محمد اسد کی رائے میں اسلام اور مغرب کے تعلقات میں بہتری کے لیے مغرب مسلمانوں سے معاملہ کرتے ہوئے دہرے معیارات کو ترک کر دے۔ اگر آزادی کوئی اہم چیز ہے تو صرف مغرب ہی کے لوگوں کے لیے اخلاقی و سیاسی سطح پر اس کا حق تسلیم نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی آزادی کا یہ حق تسلیم کیا جانا چاہیے۔ مسلمانوں کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اسلام کی تفہیم مغرب کے فہم کے قریب تر ہو کر کریں، بالکل اسی طرح مسیحی مغرب کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اسلامی دنیا کے مسائل سے بھی عدل اور شفافیت کی اسی روح کے ذریعے اعتنا کرے، جس عدل اور روح کے ساتھ وہ اپنے مسائل کے ساتھ کرتے ہیں۔[35] اس بات پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں کہ دنیائے مغرب کو ایک چیز ہمت، صاف گوئی اور جرات کے ساتھ بتائی جائے کہ ڈائیلاگ یا مکالمے کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ آپ باعزت طور پر دوسرے کا یہ حق تسلیم کریں کہ وہ آپ سے مختلف یا مخالف رائے رکھتا ہے۔ اگر مغربی دنیا مسلم دنیا کا یہ حق تسلیم نہیں کرتی کہ ہم کسی معاملے میں مختلف رائے رکھ سکیں تو پھر مکالمہ نہیں ہو گا۔ یہ مکالمہ نہیں ہو گا یہ تو یک طرفہ بات (Monologue) یا خود کلامی کی ایک شکل ہو گی۔ لہٰذا اگر آپ Diversity کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنا وجود برقرار رکھے، تو مسلمانوں کا حق اختلاف تسلیم کرنا پڑے گا۔ عالم اسلام میں اگر کوئی غیر مسلم اقلیت ہے تو دنیا اس کو Diversity کی بنیاد پر اپنے ثقافتی امتیازات کے تحفظ کا حق دیتی ہے، لیکن ایک ارب چھپن کروڑ مسلمانوں کو Diversity کی بنیاد پر اپنے شعائر دین کے تحفظ کا حق نہیں دیا جاتا، مسلمانوں کے لیے یہ متعصبانہ رویہ ناقابلِ قبول ہے۔ اس پہلو سے اسد کے نقطۂ نظر کی تفہیم ڈاکٹر غازی کی اس رائے سے آسان ہو جاتی ہے کہ مغرب سو پچاس یا سو دو سو لیڈروں کو خرید لیں، انھیں دنیائے اسلام پر مسلط کروا دیں، ان کے ذریعے ڈنڈا چلوا دیں، تلواریں چلوا دیں تو اس سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ اس لیے یہ بات پہلے ہی تسلیم کرنے کی ہے کہ اختلاف اور تنوع ایک حقیقت ہے جس کو ماننا چاہیے۔[36] قدیم عالم گیریت مغربی استعمار کی قدیم شکل پر مبنی تھی، لیکن جدید عالم گیریت زندگی کے تمام میدانوں میں مکمل اور بے قید امریکی غلبے اور تسلط سے عبارت ہے۔ عالم اسلام کے اندر اگر غیر مسلم اقلیات کا کوئی مسئلہ ہو تو تمام مغربی ادارے بہ شمول امریکی ادارے، مغربی مصنفین اور مغربی صحافت تنوع اور تعددیت (Pluralism) پر زور دیتے ہیں لیکن عالم گیریت اور تعددیت کے تمام دعوے ان کو اس وقت بھول جاتے ہیں جب مسئلہ کسی ایسے اسلامی ملک کی

---

[35] Asad, *This Laws of Ours,* 126-127.

[36] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 144-145۔

قومی پالیسی کی صورت حال سے متعلق ہو جو شریعت اسلامی سے وابستگی کی ضرورت پر زور دینا چاہتا ہو۔ اس وقت مغرب تنوع اور تعدد کے تمام مفاہیم کو فراموش کر دیتا ہے، جب مسئلہ عالم اسلام، اس کے ثقافتی حقوق اور تہذیبی مقام کا آتا ہے۔ سیاست اور معیارات کا یہ دوہرا پن اور ثنویت (Dichotomy) عالم اسلام اور مغرب کے تعلق کے حوالے سے بہت سی مشکلات اور کشیدگیاں جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔[37]

ان معروضات سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اسد عالم اسلام اور مغرب کے تعلقات میں بہتری کے لیے مغرب کے جس دہرے رویے پر اعتراض کرتے ہیں اور اس دہرے رویہ کو ختم کرنے کی دعوت دیتے ہیں، یہ نہ صرف صورت حال کا درست تجزیہ ہے بلکہ اسلام اور مغرب تعلقات کو مثبت اور تعمیری جہت دینے کی ایک ناگزیر ضرورت بھی ہے۔ جیسا کہ اسد کے حوالے سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عالمی امن اور سلامتی کے لیے اسد اسلام و مغرب افہام و تفہیم کو بہت ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس افہام و تفہیم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مغرب کے دہرے اور متعصبانہ رویے کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔ اسد کے اس نقطۂ نظر کی وضاحت ڈاکٹر محمود احمد غازی کے درج ذیل موقف سے بھی ہوتی ہے جس میں عالمی امن اور سلامتی کو درپیش بڑے بڑے خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے:1۔ سائنس پر اجارہ داری قائم کرنا اور علم کی ذخیرہ اندوزی اور انسانیت کو علم کے چشموں پر آنے سے روکنا۔2۔ دنیا کے وسائل اور دولت کو معدودے چند انسانوں کے پاس ذخیرہ کرنا اور انسانیت کی غالب اکثریت کا ان وسائل سے محروم رکھنا۔3۔ قوموں اور ملکوں کے وسائل کا استحصال۔4۔ مسلم ممالک میں قوم پرستی کے نعروں کی اشاعت اور استعمار کی طرف سے اسلامی ممالک میں انتشار پھیلانے کے لیے ان نعروں کا استعمال۔5۔ عالمی طاقتوں کا عالمی تنظیموں کے ذریعے اقوام کا استحصال۔6۔ عالم اسلام پر مغربی تہذیب کو مسلط کرنا۔7۔ اسلامی ممالک کے پڑوسی ممالک کی طرف سے بڑھتی ہوئی اسلحہ سازی ۔8۔ مغربی ممالک کی طرف سے دنیا کے ملکوں پر غلبہ اور تسلط کی کوششیں۔9۔ کمزور ممالک پر تسلط کے لیے ظاہری اور خفیہ دباؤ کا استعمال۔10۔ غاصب صیہونی نظام اور عالمی استعمار کے درمیان تعاون۔

عالمی تہذیبی مکالمے کے حوالے سے مکالمے کو یقینی بنانے کا پہلا اقدام یہ ہے کہ تہذیبوں کے تعدد، ثقافتی تنوع کی واقعیت اور تہذیبی تعدد کو تسلیم کیا جائے۔ نیز یہ کہ ایک تہذیب کے ماننے والے دوسری تہذیبوں کے متبعین پر اپنی اقدار کو مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔[38] اسلام اور مغرب تعلقات میں بہتری کے لیے ان امور کی اصلاح بھی ضروری ہے، جن کا تذکرہ اوپر کی سطور میں کیا گیا ہے، ان تمام امور کا تعلق چونکہ عالم مغرب سے ہے چنانچہ اس حوالے سے بھی علامہ اسد کی اس رائے کی اصابت واضح و مبرہن ہوتی ہے کہ اسلام اور مغرب تعلقات میں بہتری اور صحت مند مکالمے کے لیے ضروری ہے کہ مغرب پہلا قدم آگے بڑھائے۔

اسلام اور مغرب میں اصل فرق

---

[37] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 163۔

[38] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات، 193-196۔

علامہ اسد کہتے ہیں کہ اسلام کی سب سے بڑی خوبی جو اسے دیگر تمام عظیم مذاہب سے منفرد اور نمایاں مقام عطا کرتی ہے، اس کی "دنیاداری" ہے۔ اسلام کا کامل روحانی وسماجی کرداراور تصورنہ صرف جدید دور کی بدترین مادیت کے تباہ کن منفی اثرات کا توڑ کرسکتا ہے، بلکہ مشرق اور مغرب کے تعمیری تعلق کی بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔[39] اسد ہی کی طرح یہودی خاندان سے تعلق رکھنے والی امریکی نژاد نومسلمہ مریم جمیلہ مغربی تہذیب کی خصوصیت کو نمایاں کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ سائنسی ایجادات بذات خود نقصان دہ نہیں ہیں بلکہ مادہ پرستانہ فلسفے جو تباہ کن حد تک صنعت کاری پر زور دیتے ہیں، معاشرے کے لیے تباہی کا باعث بنتے ہیں؛ خاندانی استحکام اور مذہبی زندگی کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔[40] وہ مزید کہتی ہیں کہ نیشنلزم، سیکولرزم، آرٹ کا زوال، اخلاقی معیارات کا تنزل، مادہ پرستانہ تصورات، مثلاً فاشزم، نازی ازم اور کمیونزم کا عروج اور زیادہ سے زیادہ تباہ کن ہتھیاروں کی ایجادات کا اندھا شوق، یہ سب مغرب کے زوال کی علامتیں ہیں۔[41] اسلام اور مغرب کے فرق کو نمایاں کرتے ہوئے مریم جمیلہ کہتی ہیں کہ مذہبی حکومت طاقت کے اندھے استعمال کے ذریعے تمام آزادیوں اور تخلیقی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ یہ بات قرون وسطیٰ کے مغرب کے بارے میں درست ہوسکتی ہے لیکن یہ کلیہ اسلام پر لاگو نہیں ہوتا، کیونکہ اسلامی مذہبی حکومت یعنی خلافت علوم کی سرپرست رہی ہے۔ مسلمان حکومتیں پانچ سو سال تک ثقافتی زندگی کے تمام شعبوں میں راہنمائی کرتی رہی ہیں اور اس بات کو تاریخ کا کوئی بھی طالب علم آج تک نہیں جھٹلا سکا۔ جس طرح اسپین کی انکویزیشن عدالتوں نے اپنی اذیت ناک ظالمانہ سزاؤں کے ذریعے انسانیت کے مستقبل کو خطرات سے دوچار کیا، پوری اسلامی تاریخ میں مذہبی حکومتوں (خلافت) کے ایسے کسی ایک واقعے کو بھی تلاش نہیں کیا جاسکتا۔[42] مریم جمیلہ کی رائے میں مغربی تہذیب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مذہبی واخلاقی اقدار کے خلاف بغاوت پر مبنی ہے۔ مغرب کا یہی نقطۂ نظر تاریخ انسانی کے بدترین نفرت، تشدد، تباہی اور انارکی وخون ریزی کا سبب ہے۔[43] اسی وجہ سے وہ مغربی تہذیب کو انسانی بقا کے لیے خطرہ قرار دیتی ہیں۔ ان کے مطابق مغربی تہذیب انسانی حیات کے بقاو تسلسل کے لیے خطرہ بن چکی ہے۔ یہ انسانی فطرت میں ایک ناختم ہونے والی بے سکونی، ایک مسلسل عداوت، مستقل نزاع اور انسانی بندھنوں کو کمزور کرکے انھیں توڑ پھوڑ دینے کی طرف مائل رہتی ہے۔[44]

ان نہایت تلخ حقائق کے باوجود اسد اسلام اور مغرب کے مابین افہام وتفہیم کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر کی تایید سیرت اور سنت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی سیرت سے روشنی اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہم عصر قریبی اہل کتاب حکمرانوں اور اقوام سے پرامن بقائے باہمی کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ مدینے کے یہودیوں سے تحریری معاہدے ہوئے۔ فریقین کے حقوق اور ذمے داریوں کا تعین ہوا، لیکن یہودیوں نے ایک ایک کرکے معاہدوں کو

---

[39] Asad, *This Laws of Ours*, 132,135

[40] Jameela, *Islam versus The West*, 120

[41] Jameela, *Islam versus The West*, 64

[42] Jameela, *Islam versus The West*, 69

[43] Jameela, *Islam versus The West*, 120

[44] Jameela, *Islam versus The West*, 103

توڑا۔ آپ ﷺ نے نجران، حبشہ اور حدود شام کے متعدد عیسائی روسا سے مفاہمتی معاہدے کیے۔ ان سب میں حبشہ سے ہونے والا مفاہمتی معاہدہ صدیوں قائم رہا۔ گویا بین الاقوامی سطح پر پرامن بقائے باہمی اور دوستانہ روابط کا حبشہ ماڈل کامیاب ترین ماڈل تھا، جو ایک ہزار برس سے بھی زیادہ قائم رہا۔[45]

خلاصۂ بحث

علامہ اسد کے افکار کے اس تقابلی مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح مغرب ایک ہزار سال تک اپنی تہذیبی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے مسلم سائنس وعلوم سے استفادہ کرتا رہا، بالکل اسی طرح مسلم دنیا کو بھی آزادی حاصل ہونی چاہیے کہ وہ اپنی فکری اور تہذیبی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے مغربی علوم و سائنس سے استفادہ کریں۔ لیکن اس کے برعکس مغرب مسلم دنیا کو تہذیبی و فکری آزادی دینے کے حق میں نہیں، وہ اسلامی تہذیب کی بجائے مغربی تہذیب کی پیروی کو مغربی سائنس سے استفادے کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔ مغربی مصنفین نے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہب اسلام کے خلاف الزامات کے پہاڑ کھڑے کیے۔ مغرب سے مکالمہ و مفاہمت کی راہ تلاش کرنے کے لیے ازحد ضروری ہے کہ پہلے مغرب کی اسلام کے معاملے میں حد سے بڑھی ہوئی وحشت اور نفرت وعداوت کے غیر علمی رویے کو تبدیل کرنے کی دعوت دی جائے۔ مغرب چونکہ سیاسی، معاشی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مسلم سماج کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہے اس لیے اب یہ مغرب کا فرض ہے کہ وہ مذکورہ ہم آہنگی کا مقصد حاصل کرنے کے لیے پہلے قدم آگے بڑھائے۔ اسد اسلام کی دنیاداری کی خوبی کو ایک منفرد خوبی قرار دیتے ہیں، کہ یہ چیز اسلام کو تمام مذاہب میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ فکر اسلامی کی یہ وہ خوبی ہے جو نہ صرف اسلام کے روحانی وسماجی نظام میں توازن واعتدال قائم کرتی ہے، بلکہ مغرب کے مادہ پرستانہ تباہ کن فکر کے پیدا کردہ مسائل کا بھی بہترین حل عطا کرتی ہے، جس کی بناپر علامہ اسد مغرب کے مذہب یعنی مسیحیت سے مکالمے کے ذریعے اور مشترکہ اقدار کی بنیاد پر ہم آہنگی کی پالیسی کے ذریعے مادیت پرستی کے عفریت پر قابو پانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسلام اور مغرب تعلقات اور افہام و تفہیم کی جس ضرورت کا اظہار علامہ اسد کی آرا سے ہوتا ہے سیرت اور سنت سے بھی اس کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی سیرت سے روشنی اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہم عصر اہل کتاب حکمرانوں اور اقوام سے پرامن بقائے باہمی کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ مدینے کے یہودیوں سے تحریری معاہدے ہوئے۔ آپ ﷺ نے نجران، حبشہ اور حدود شام کے متعدد عیسائی روسا سے مفاہمتی معاہدے کیے۔ ان سب میں حبشہ سے ہونے والا مفاہمتی معاہدہ صدیوں قائم رہا۔

---

[45] غازی، اسلام اور مغرب تعلقات, 272۔